فکر ولی اللہی کا بنیادی نقطہ

محمد سرور

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی شخصیت اتنی حیثیات کی جامع ہے، اور پھر ان میں سے ہر ہر حیثیت اس قدر وسیع و عمیق ہے کہ مجموعی طور سے ان کا احصاء کر کے حضرت شاہ صاحب کے بنیادی فکر کا تعین کرنا بڑا مشکل ہے۔ وہ اپنے دور میں اور اس کے بعد بحیثیت ایک محدّث کے بہت زیادہ مشہور ہوئے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ محدّث ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ کے بھی ایک بہت بڑے مجتہد تھے، اور انہوں نے فقہی فکر میں بہت کچھ اضافہ کیا اس کے علاوہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس پر تشریحی فوائد لکھے، چنانچہ پروفیسر جلبانی کے الفاظ میں۔

"علم تفسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور مفسرین بھی مختلف قسموں کے ہیں۔ جہاں تک شاہ ولی اللہ صاحب کا تعلق ہے، آپ کو اس کے جملہ فنون میں خاص مہارت حاصل تھی اور آپ اس کے اصول و فروع سے بخوبی واقف تھے۔ اس علم میں آپ کو وہی رتبہ حاصل تھا جو ایک مجتہد فی المذہب کو حاصل ہوتا ہے۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ کو امام المفسرین مان لیا جائے، تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا"[1]

دین اسلام کی حقانیت و افادیت کو اس طرح پیش کرنا کہ اہل عصر کی عقلیت پسند طبعتیں اسے قبول کریں

---

[1] شاہ ولی اللہ کی تعلیم

اور جسے اصطلاحی زبان میں "علم الکلام" کا نام دیا گیا ہے، علم کی اس صنف میں شاہ صاحب کا پایہ اتنا بلند ہے کہ ان کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" جو خاص اس موضوع پر ہے، نہ صرف برصغیر ہندو پاک میں بلکہ دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی پڑھی اور پسند کی جاتی ہے۔ اور اسے باوجود اس کے دو سو سال پرانے ہونے کے اس باب میں سب سے اچھی کتاب سمجھا جاتا ہے۔

جہاں تک تصوف میں شاہ صاحب کے علمی و عملی درک کا تعلق ہے، نہ صرف یہ کہ انہوں نے تصوف پر لکھا، بلکہ وہ خود صاحب ریاضت و طریقت صوفی تھے، اور رشد و ہدایت کے طالبوں کی رہنمائی کرتے اور ان سے بیعت لیتے تھے۔ اب رہی شاہ صاحب کی فلسفہ و منطق سے دلچسپی تو ان کے دور میں جو بھی فلسفی و منطقی علوم مروج تھے، ان سب کی انہوں نے باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ چنانچہ مختلف موضوعات پر آپ نے جو کثیر التعداد کتابیں تصنیف کیں ان سب میں شاہ صاحب کی فلسفیت و منطقیت نمایاں ہے اور وہ ایک جگہ اس سلسلے میں اپنا ذکر یوں کرتے ہیں۔

علی من می شناسم این گوہر دزدانِ حکمت را
فلاطون آہ گر می دید یونانے کہ من دارم

گویا شاہ صاحب کو اس پر فخر تھا کہ وہ فلاطون سے بڑھ کر اپنے اندر ایک یونان رکھتے ہیں کچھ عرصے سے شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض اور حیثیتوں کو بھی بڑے نمایاں طور سے پیش کیا جا رہا ہے اس میں شاید پہل مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے کی ہے۔ مولانا مرحوم کے نزدیک حضرت شاہ صاحب ایک محدث، مجتہد فقہ، عارف صوفی اور متکلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی و سیاسی مفکر بھی تھے۔ انہوں نے اس سرزمین میں ایک اجتماعی و سیاسی تحریک کا فکری بیج بویا تھا۔ جس کا عملی ظہور ایک زمانے میں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی جدوجہد کی شکل میں ہوا، اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اس ضمن میں مولانا سندھی فرماتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن مجید کا جو نصب العین معین فرمایا ہے، وہی ان کی حکمت کی

اساس ہے۔ جب ہم فلسفۂ ولی اللہ کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ حکمت ہے، جو شاہ صاحب کے نزدیک قرآنی مقاصد کا لب لباب ہے۔ یہ حکمت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود یہ دنیا ہے۔ دنیا کی ارتقائی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس حکمت نے کیسے کیسے ترقی کے مراحل طے کئے شاہ صاحب نے اپنی کتاب "تاویل الاحادیث" میں اس پر بحث کی ہے۔ آدم علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کے کیا کیا ضابطے اور شرائع تھے، ان سے کس طرح اس عہد کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں، پھر اس کے بعد جیسے جیسے انسانیت ترقی کرتی گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ افکار و خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں "فلسفہ ولی اللہی" ان مسائل پر بحث کرتا اور ان سب کا حل پیش کرتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جو دور تھا، شاہ صاحب اسے صابئین کا دور قرار دیتے ہیں .... یہ حکمت اتنی ہی عالمگیر ہے جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ اس کا مرکز کبھی ہند ہوا، کبھی ایران اور کبھی یونان۔ یہ سب صابئی مراکز تھے۔ پھر حضرت ابراہیم آتے ہیں اور یہاں سے حنیفی دور شروع ہوتا ہے۔ انسانی فکر کی ارتقائی تاریخ کا اس طرح تجزیہ کرنے سے خود انسانیت کی حقیقت اور ماہیت واضح ہو جاتی ہے اور ہم جان سکتے ہیں کہ انسان کیا ہے اور انسانیت کا کیا تصور ہے۔"

مولانا سندھیؒ اور ان کے ہم خیالوں کے نزدیک شاہ صاحب صرف ایک اجتماعی مفکر تھے، بلکہ انہوں نے قرآن حکیم کی اساس پر دعوت انقلاب بھی دی۔ اس بارے میں شیخ بشیر احمد سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- اس انقلاب کا پہلا مطمح نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھی اور اس کا دائمی منشا اس کے قانون کا غلبہ ہے، جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے، جس کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں رہ گیا ہے تو اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہئیے جو نہ صرف

جامع ہوگا بلکہ عالمگیر بھی ہوگا اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصول پر ہوگا۔ ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلوی کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصہ حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض کو پہچانیں اور امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دور حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے"

(یہ تفسیر مولانا سندھیؒ کے خطبات سے مرتب کی گئی ہے)

غرض جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، شاہ ولی اللہ صاحب کی علمی شخصیت کی بہت سی حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ اس لئے یہ بڑا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی کون سی حیثیت کو سب سے نمایاں مانا جائے، اور باقی حیثیتیں اس کے تابع سمجھی جائیں مثال کے طور سے مولانا سندھی شاہ صاحب کی ایک اجتماعی و انقلابی مفکر ہونے کی حیثیت پر زیادہ زور دیتے تھے لیکن اس کے برخلاف مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے ایک مکتوب میں رقم فرماتے ہیں۔

"شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرد فقہ و حدیث و کلام و اسرار و رموز شریعت ہیں تصوف کی کتابوں میں ان کا پایہ ان کے دوسرے علوم کے مطابق نہیں ہے اس لئے ان سے نہ گھبرایئے اور نہ ان کی صوفیانہ کتابوں کی طرف توجہ کیجئے۔"

شاہ صاحب کی علمی شخصیت کا بنیادی نقطہ کیا ہے؟ ان سطور میں اسے معین کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش کی جاتی ہے۔

اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کرے گا کہ شاہ صاحب ایک عالم ربانی تھے۔ اور ان کا منصب ایک معلم اور مرشد کا تھا۔ اور ان کی ساری زندگی ارشاد و تعلیم میں گزری انہوں نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اور تصوف کے علاوہ تاریخ، اجتماعیات اور سیاسیات بھی شامل ہیں۔ وہ علم تصوف کے ذیل میں انسانی نفسیات کی گتھیاں بھی سلجھاتے ہیں، اور جن اجتماعی و سیاسی حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑا، ان سے عہدہ برآ ہونے کے متعلق انہوں نے غور و خوض بھی کیا۔ اور ان حالات کی اصلاح کی کوشش کیں۔ یہ سب کچھ تھا اور واقعی

شاہ صاحب کی بڑی ہمہ جہتی شخصیت تھی، لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ سب شاخیں ایک اصل سے پھوٹتی ہیں، اور وہ تھا ان کا دین اسلام کا عقیدہ اور اس عقیدے کا ایک خاص تصور شاہ صاحب کا اصل مقصد لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینا تھا، اور انہوں نے جو کچھ لکھا اسی مقصد کے پیش نظر لکھا

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا دین کا کیا تصور تھا اور انہوں نے اس تصور پر اپنے فکر و علم کی کس طرح عمارت بنائی۔ سب سے پہلے تو یہ واضح ہونا چاہیئے کہ شاہ صاحب دین کو زندگی کی اصل غایت مانتے ہیں اور اس کے تحت وہ زندگی کو دیکھتے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم شاہ صاحب کے یہاں جو دین کا تصور ہے، اس کی حقیقت جان لیں تو گویا ہمارے ہاتھ میں وہ اساسی نقطہ آجائے گا، جو شاہ صاحب کی جملہ تعلیمات و افکار کی بنیاد ہے۔ اب شاہ صاحب کے نزدیک دین کا تصور بڑا وسیع اور جامع ہے۔ اور وہ زندگی کی طرح ہمہ گیر ہے ان کا کہنا ہے کہ دین زندگی کو ایک مقصد دیتا ہے اور یہ مقصد اتنا ہی عام اور عالمگیر ہوتا ہے جتنی کہ خود زندگی۔ دین شروع سے آخر تک اپنے عمومی مقاصد کے لحاظ سے اپنی اصلی حالت پر قائم ہے البتہ زمانے کے ساتھ ساتھ اس کی ظاہری شکلیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن دین کی اس اصل میں جو غیر متبدل ہے اور اس کی مختلف شکلوں میں جو مرور ایام کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں حقیقتاً کوئی تضاد نہیں۔ اسے آپ وحدت فی کثرت کا نام دے لیں غرض دین ایک ہے اور اس کے مظاہر مختلف

شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کا عنوان ہے "تمام مذاہب و ادیان کی اصل ایک ہے۔ شرائع مناہج، طریقے مختلف ہیں۔" اس باب میں وہ لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک اوحینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا (اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا۔ اور اے پیغمبر! تمہاری طرف بھی ہم نے اسی راستہ کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا) حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر اور معنی یہ کئے ہیں کہ اے محمدؐ!

ہم نے تم کو اور ان کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرھم بینھم زبراً کل حزب بما لدیھم فرحون (اور یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ تو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر لوگوں نے آپس میں پھوٹ ڈالکر اپنا اپنا دین جدا کرلیا۔ اور جو دین جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہے) یعنی تمہاری ملت اور تمہارا دین و ملت اسلام ہے اور مشرکین، یہود اور نصاریٰ نے اس میں پھوٹ ڈال دی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجاً (اور ہم نے وقتاً فوقتاً تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ خاص ٹھہرایا) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ شریعت اور منہاج کے معنی راہ اور طریقے کے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لکل امۃ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ (ہم نے ہر ایک امت کے لئے عبادت کے طریقے قرار دیئے کہ ان پر چلتے رہیں۔"

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اصل دین ایک ہے اور تمام انبیائے کرام اس پر متفق ہیں۔ تمام انبیائے کرام کا اتفاق ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے اس کی عبادت کی جائے۔ قیامت حق ہے، مرنے کے بعد زندہ ہونا حق ہے۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام بر یعنی نیکی کے اصولی اقسام پر بھی متفق ہیں۔ اور اسی طرح تمام انبیائے کرام نکاح کی ضرورت، زنا کی حرمت، عدل و انصاف قائم کرنے، ظلم و جور کی حرمت پر متفق ہیں۔

"یہ امور ان لوگوں کے نزدیک جو قرآن کے مخاطب تھے۔ بطور مسلمات کے تھے اور اگر اختلاف تھا تو صرف ان امور کی صورتوں اور شکلوں میں تھا۔ حاصل کلام یہ کہ وہ خاص خاص صورتیں اور مخصوص ہیئتیں جن پر مختلف قسم کی نیکیوں اور تدابیر نافعہ و معاشی اور امور معاشرت کی آسانیوں اور سہولتوں کی عمارت قائم کی جاتی ہے، انہیں کا نام شریعت اور منہاج ہے۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے، جن کی وجہ سے مختلف زمانوں

ہیں مختلف قوموں کے لئے مختلف شرائع نازل ہوتے رہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیائے کرام کے شرائع میں اختلاف چند اسباب و مصالح کی بنا پر ہوا کرتا ہے اور یہ اس طرح کہ شرائع الٰہیہ کے لئے چند ایسے اسباب اور وجوہات ہوتے ہیں جن کی بنا پران شرائع کو شعائر قرار دیا جاتا ہے۔ اور شرائع کے مقدار و اندازے کی مشروعیت میں بھی مکلفین کے حالات، عادات اور اطوار کا لحاظ کیا جاتا ہے۔" اس کی مثالیں دینے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"انبیائے کرام کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان ارتفاقات اور معاشرت کی ان تدابیر نافعہ کی اصلاح کی جائے، جو ان کے مخاطبین میں موجود اور ان میں جاری و ساری ہیں۔ اور اسی لئے ان کو ان کی مالوفات اور شب و روز کی عادی چیزوں سے یکسر جدا کر کے غیر مالوف چیزوں کی طرف دعوت نہیں دی جاتی۔ الا ماشاء اللہ اور یہ ظاہر ہے کہ مصالح کے مواقع باعتبار زمانہ اور عادتوں کے مختلف ہوا کرتے ہیں اور اسی بنا پر شریعتوں میں نسخ صحیح اور جائز ہے۔ اس کی مثال طبیب کی سی ہے کہ وہ ہر حال میں مزاج کا اعتدال اور اس کا تحفظ چاہتا ہے اور اس لئے مختلف اشخاص اور مختلف اوقات کے لحاظ سے اس کے احکام اور طبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں جس چیز کا حکم وہ جوان کو دیتا ہے۔ او ڑھے کو نہیں دیتا۔ گرمیوں کے زمانے میں کھلے میدان اور کھلی ہوا میں سونے کا حکم دیتا ہے۔ اور سردیوں میں گھر میں سونے کا حکم دیتا ہے کیونکہ گھر کے اندر سردی کا بچاؤ ہو سکتا ہے اسی طرح جو شخص اصل دین اور شرائع و مناہج کے اختلاف کے اسباب کو سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ تغیر و تبدل درحقیقت تغیر و تبدل نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شرائع کی نسبت قوموں کی طرف ہوا کرتی ہے اور چونکہ ان کی استعداد و قابلیت سے یہ شرائع اور مناہج ان پر واجب اور لازم کئے ہیں اور زبان حال سے مناسب سعی والتجا کے ساتھ ان شرائع کی درخواست اور مطالبہ کیا ہے اس لئے ہدف ملامت اور محل مواخذہ یہی قومیں اور یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔"

یہ تو ہوا شاہ صاحب کا دین کا تصور۔ اب یہ حقیقت ہے کہ اس تصور کے عملی مظاہر خواہ کسی رنگ میں ہمارے سامنے آئیں، ان میں ان دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ دین کسی طرح بھی زندگی کو محدود نہیں مانتا۔ وہ نہ ازل میں انتہا کا قائل ہے اور نہ ابد کو منتہی سمجھتا ہے، دین اس آب و گل میں زندگی کو محدود ماننے سے سختی سے انکار کرتا ہے، اس کے نزدیک طبیعیات کی دنیا میں جو باوجود اپنی تمام بے کنار وسعتوں کے پھر بھی ایک جزو ہے، زندگی جو ایک کُل ہے، کسی طرح محدود نہیں ہو سکتی۔ اس سے کہیں یہ خیال نہ ہو کہ دین کی نظر میں اس عالم طبیعیات کی کوئی خاص اہمیت نہیں اور یہ محض ایک پرتو ہے کسی دوسرے عالم کا جو مابعد الطبیعیات میں ہے۔ شاہ صاحب اس خیال کے حامی نہیں وہ دنیائے طبیعیات کی اہمیت کے قائل ہیں اور اسے وہ ایک ٹھوس زندہ حقیقت سمجھتے ہیں، لیکن ایک سچے دین دار کی طرح ان کے عقائد کے سوتے ان کے مابعد الطبیعیات تصورات کے سرچشموں سے پھوٹتے ہیں۔ چنانچہ ان کی برابر یہ کوشش رہی کہ وہ طبیعیات کے حقائق کو جو تجربہ اور مشاہدہ کا حاصل ہیں، اپنے مابعد الطبیعیاتی تصورات سے ہم آہنگ کریں اور جزو جو کہ یہ دنیائے طبیعیات ہے، اور کُل جس سے کہ پوری زندگی مع مابعد الطبیعیات کے عبارت ہے، ان دونوں میں کلّی موافقت ہو۔

زندگی کو اس طرح لامحدود ماننا اور اسے محض طبیعیات پر ختم نہ کر دینا یقینی طور سے مستلزم ہوتا ہے ایک ایسے وجود کو ماننے پر، جو الحیّ اور القیوم ہو۔ اور یہ دین کی ایک بنیادی شرط ہے۔

دین کی دوسری خصوصیت جو اس کے لئے لازمی ہے، وہ اس کا اخلاقی نقطہ نظر ہے۔ دین کا مقصود ہمیشہ سے حصولِ خیر رہا ہے۔ بے شک خیر کی تفصیلات مختلف زبانوں میں مختلف معین ہوتی رہی ہیں، لیکن خیر" کا ایک بنیادی تصور ہمیشہ سے دین کا ایک ضروری جزو مانا گیا ہے۔ تصوّر "خیر" کی عمومیت تاریخی ارتقا کے ساتھ ساتھ برابر وسیع ہوتی رہی ہے اور شاہ صاحب ان حکماء میں سے ہیں، جن کا تصور "خیر" پوری انسانیت کو محیط ہے۔ اور وہ خالق، مالک، ربّ اور مدبّر پر ایمان لانے کا عملی زندگی میں جتنی نتیجہ "خیر" پر ایمان لانا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال خیر کی جو بھی عملی تفصیلات ہوں اور جو بھی تعبیر کی جائے۔ .....

کوئی دین "خیر" کے تصور کے بغیر دین کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

راقم الحروف کے نزدیک شاہ ولی اللہ صاحب کی علمی شخصیت کو سمجھنے کے لئے ان کے فکر کے اس بنیادی نقطہ سے بڑی مدد مل سکتی ہے اور یہ ایک لحاظ سے کلید بن سکتا ہے ان کے مختلف اور کہیں کہیں بظاہر متضاد افکار و خیالات کو حل کرنے کی۔

القصہ بلحاظِ وجوہِ مذکور عجب نہیں کہ طبّ روحانی کی رو سے ہر زمانہ میں ایک جدا نسخہ تجویز کیا جائے۔ یا ہر قوم کو ایک جُدی معجون دی جائے، تو یہ اختلاف دینوں کا عبادتوں میں ہو، یا معاملوں میں ہو، بشرطیکہ آسانی ہونے ان دینوں کے، عجب نہیں کہ اس وجہ سے ہو اور کچھ دور نہیں کہ کسی زمانے کے چند احکام دوسرے زمانے میں موقوف کئے جائیں اور ان کے بدلے اور حکم دیئے جائیں۔

"..... مہربان من! چار باتیں اخلاق میں ایسی ہیں کہ ان کی بھلائی میں عام و خاص کو ایسا اتفاق ہے، جیسا روز کے روشن ہونے اور رات کے اندھیری ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ ایک تو عدل و انصاف۔ یعنی حق والوں کے حقوق ادا کرنے، دوسرے دوسروں کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنی۔ تیسرے متانت یعنی سبک حرکت نہ ہونا اور بے فائدہ اور بے ہودہ کام نہ کرنے۔ چوتھے نفاست و پاکیزگی۔ سو یہ چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر خدائے کریم کسی کو عنایت کرتا ہے تو اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔"

ماخوذ از تقریر دلپذیر مولانا محمد قاسم؟